مغربی تہذیب اور ہمارا مستقبل

غلام جیلانی برق

مجموعی طور پر اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی ہیں، خواہ وہ آزاد ہیں یا غلام، علم میں پس ماندہ، اقتصادی لحاظ سے محتاج اور اخلاقی حیثیت سے کئی امراض میں مبتلا ہیں، سوال یہ ہے۔ کہ جو مسلمان ساری کائنات کو علوم وفنون، اخلاق، تہذیب اور تمدن کا درس دے رہا تھا۔ اسے یکا یک کیا ہو گیا۔ کہ اس کے اعضا شل، حوصلے سرد اور دماغی قوا مفلوج ہو گئے۔ اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ میرا تجزیہ ہے:

اول:۔ اسلام نے پہلی چھ صدیوں میں بڑے بڑے علما وحکما پیدا کیے تھے۔ انہوں نے نہ صرف یونانیوں کی میراث اخلاف کو دی تھی، بلکہ طبع زاد تصانیف کے بھی انبار لگا دیئے تھے۔ علم کے یہ دریا وادی حیات میں ہر چار سو رواں تھے کہ دنیائے اسلام پہ تاتاری آگ بن کر برسے اور ہر خشک وتر کو جلا گئے۔ انہوں نے ہماری سلطنت کو ختم کر دیا۔ کتابیں جلا دیں اور تقریباً تمام علما کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ظاہر ہے۔ کہ جن بچوں کا استاد قتل کر دیا جائے۔ اور ان کی ہاتھ سے کتابیں چھین لی جائیں وہ جاہل بن جائیں گے۔ اگر کوئی کسر رہ گئی تھی۔ تو وہ ایزا بلا فردینان، صلیبی عیسائیوں اور پادریوں نے پوری کر دی۔ ان لوگوں نے قرطبہ غرناطہ، طلیطلہ، اشبیلیہ، تونس اور دیگر مقامات پر ہماری تقریباً ساٹھ لاکھ کتابیں جلا دیں۔ اور علماء کرام کو قتل کر دیا۔ چند سو سال بعد جب اسلامی ممالک پر مغربی اقوام کا تسلط ہو گیا۔ تو یہ لوگ ایک خاص سازش کے تحت ہماری بچی کچھی کتابیں اپنے ہاں لے گئے۔ آج ہمارے اسلاف کی باقی ماندہ کتابیں لیڈن، لندن، پیرس، برلن اور اسکوریل میں تو موجود ہیں، لیکن اسلامی ممالک میں بہت کم ملتی ہیں۔

دوم:۔ جونہی ہم خوارزمی، سینا، جابر بن حیان اور الکندی جیسے علماء کی تصانیف اور ان کے تلامذہ کے فیض سے محروم ہو گئے۔ تو ہمارا تصور علم مسخ ہو گیا۔ ہم فقہ، ادب، شعر، نحو، حدیث اور تفسیر ہی کو علم سمجھنے لگے اور تسخیر عناصر کا آئیڈیل نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم اس حقیقت سے غافل ہو گئے۔ کہ زندگی روح وجسم ہر دو کا نام ہے۔ اسلام دونوں کی تربیت کرتا اور دنیا وآخرت ہر

☆عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃ مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاء☆

دو پہ نظر رکھتا ہے۔ مسلمان کی تمام تر توجہ دنیائے دل کی طرف مبذول ہوگئی۔ اور وہ کائنات ارضی کے تمام انعامات سے محروم ہوگیا۔

سوم:۔ گوالکیمیا، الجبرا اور ٹکنالوجی کے موجد ہم تھے۔ لیکن تدریس طبیعیات کو ہم ایک تحریک نہ بنا سکے۔ ہم نے اصلاح اخلاق اور درس قرآن پر تو بے شمار وعظ کیے۔ لیکن حصول طبیعیات اور تسخیر کائنات پر ایک جملہ تک نہ کہا۔ پھر سائنس اور ٹکنالوجی میں رابطہ نہ قائم رکھ سکے۔ جابر بن حیان کے بعد سائنس زبانی زبانی پڑھاتے رہے اور تجربات کے لئے کوئی تجربہ گاہ قائم نہ کی۔

چہارم:۔ گو ہمارے سلاطین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ لیکن ہارون، مامون، عبدالرحمان، الحکم، نوح بن منصور سامانی، ملک شاہ اور سنجر کے سوا باقی کسی اور نے علم کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ اگر دی بھی تو صرف شعر و موسیقی کی طرف توجہ، یہ کہ اہل قلم فکر معاش میں الجھ گئے۔ اور تصنیف و تخلیق کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ ایک زمانہ تھا کہ تمام دنیا یونان کے گن گاتی تھی۔ اس کے بعد ایک ہزار سال تک شرق و غرب پہ ہم مسلط رہے۔ دنیا ہماری نقل اتارتی...... ہماری زبان بولتی، ہمارا لباس پہنتی اور ہمارے علوم پڑھتی رہی۔ آج خشک وتر پر غرب کا علم لہرا رہا ہے۔ ہر طرف مغربی تہذیب کا چرچا ہے۔ چین، جاپان، ملایا برما۔ جزائر شرق الہند، بھارت، پاکستان، ایران، افریقہ اور تمام عربی ممالک کے طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ یا ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جاتے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے ہر طالب علم کو علم کی خاطر انگریزی، فرانسیسی یا جرمن زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ کل دنیا کی قیادت ہمارے پاس تھی۔ ہماری اجازت کے بغیر کوئی پتہ تک نہیں ہلتا تھا۔ اور یورپ کے بڑے بڑے فرمانروا ہمارے باجگزار تھے۔ لیکن آج دنیا کی سیادت یورپ کے پاس ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ صورت حال ہمیشہ یونہی رہے گی؟

جواب ہے، غالباً نہیں، قوموں کی طرح تہذیبوں کی بھی خاص عمر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک قوم کی تہذیب اس کے زوال کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال مصر، بابل اور یونان ہیں۔ کہ جونہی ان اقوام کا سیاسی زوال ہوا۔ ان کی تہذیبیں دم توڑ گئی۔ اور کبھی کبھی بعد از زوال بھی باقی رہتی ہے۔ مثلاً بھارت، جو بارہ سو سال تک محکوم رہنے کے باوجود اپنی تہذیب سے چمٹا رہا۔ یہی حالت اسلامی تہذیب کی ہے۔ کہ مسلسل مار کھانے کے بعد بھی زندہ ہے۔ اور اب حیات ثانیہ کا خواب دیکھ رہی ہے۔

☆ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا ☆ (فقہی ضابطہ)

غربی تہذیب کا مستقبل:

غربی تہذیب مغرب کے چند روشن پہلو بھی ہیں۔ مثلاً اہل یورپ کا بے پناہ علم، ذوق تجسس، محنت، ابنائے وطن سے محبت، آزادی سے الفت، تسخیر کائنات کا جنوں، صفائی، چمک، شوق تعمیر، بلندی ہمت، جرأت، استقلال، جفا طلبی شجاعت وغیرہ۔ لیکن کچھ خرابیاں بھی ہیں۔ جو اس تہذیب کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔

اول: تمیز رنگ ونسب، جو اس حد تک بڑھ گئی ہے۔ کہ آج سے چند سال پہلے ایک سرخ حبشی کو امریکہ کی ایک درس گاہ میں داخل کرانے کے لئے فوج بلانی پڑی۔ امریکہ کے صدر کینیڈی کو دسمبر ۱۹۶۳ء میں ٹیکساز کے اوز ویلڈ نے محض اس لیے گولی ماردی۔ کہ وہ مساوات انسانی کا قائل تھا۔ لنڈن میں آئے دن اسی بنا پر پاکستانیوں اور افریقیوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں۔ یہی حال فرانس اور سپین کا ہے۔ جنوبی افریقہ اور روڈیشیا میں اصلاً گوروں کی حکومت ہے۔ اور یہ لوگ اہل فریقہ کے لئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی افریقہ کو برطانیہ نے کامن ویلتھ سے نکالا۔ اقوام متحدہ نے متفقہ قرارداد ملامت پاس کی۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بھارت کی طرح نسل کشی کی راہ پہ بدستور رواں ہے۔ بھارت مسلمانوں کو ذبح کر رہا ہے اور وہ افریقیوں کو۔ ابن آدم کی یہ توہین نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اس کی مخلوق کو، بے گناہوں کا لہو انتقام فطرت کو آواز دے رہا ہے۔ اور ایک نہ ایک دن یہ فریاد سنی جائے گی۔

دوم: مغربی تہذیبوں کی دوسری خرابی توہین عورت ہے۔ ان لوگوں نے عورت کو خواہ وہ ماں ہو یا بیٹی، جنس بازار بنا رکھا ہے۔ آج وہاں پاک دامانی وعصمت کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ غیرت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ اگر کسی گھر میں کوئی باغیرت موجود ہے۔ تو اس کا کام بیوی کی بے راہ روی اور بیٹی کی آوارہ گردی پہ کڑھنا ہے اور بس۔ لڑکی آج شام جیک کے ساتھ جا رہی ہے۔ کل جل کے ساتھ اور پرسوں جم کے ساتھ ہوگی۔ یورپ میں ایک نوجوان کو شام گذارنے کے لئے عموماً اشیائے ذیل کی ضرورت پڑتی ہے۔

اول: شراب کی بوتل۔ مفروضہ قیمت ستر روپے

دوم: نمکین اشیا، سوڈا وغیرہ۔ مفروضہ قیمت دس روپے

سوم: ٹیکسی مفروضہ کرایہ بیس روپے

چہارم: سینما مفروضہ ٹکٹ دس روپے

پنجم: سگریٹ پانچ روپے

ششم: ہوٹل میں رات کا کھانا چالیس روپے

ہفتم: مشاغلِ شب سے فارغ ہونے کے بعد تحائف یا نقد پچاس روپے

میزان: دوسو ساٹھ روپے۔

کیا اتنی رقم ہر نوجوان روزانہ کما سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، کیا وہ ان اشیا کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے؟ گناہ میں بڑی لذت ہوتی ہے۔ اس لذت کی خاطر وہ یہ رقم یا تو کسی سے ادھار لے گا، یا ڈاکہ ڈالے گا اور اگر بے ہمت ہے، تو چند روز کے بعد خودکشی کر لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں خودکشی اور بینک لوٹنے کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ''پاکستان ٹائمز'' مورخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۶۳ء میں یہ خبر درج تھی۔ کہ ریاستہائے متحدہ جیسے خوشحال ملک میں یکم جنوری سے یکم نومبر ۱۹۶۳ء تک دس لاکھ افراد نے خودکشی کی۔ کیوں؟ بھوک کی وجہ سے؟ امریکہ میں بھوک کہاں؟ اس کی وجہ یا تو جذبہ رقابت ہو سکتا ہے۔ اور اسباب عیش کی نایابی۔ فحش کاری کو یا تو حکومت روک سکتی ہے۔ اور یا رائے عامہ جس ملک میں یہ دونوں بندشیں موجود نہ ہوں۔ وہاں مرد و زن کا اختلاط بڑھتا جاتا ہے۔ اور آخر کار ساری قوم اس دلدل میں ڈوب کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتی ہے۔ نیرو کی قوم، ہندوستان کے مغلوں، بغداد کے آخری عباسیوں، کیانیوں، ساسانیوں اور بابلیوں کے ساتھ یہ حادثہ پیش آ چکا ہے۔ اور اگر یورپ نہ سنبھلا تو اس کا حشر بھی وہی ہوگا۔ جنسی آلودگی انسان کو ناکارہ، بے ہمت اور تساہل پسند بنا دیتی ہے۔ وہ زندگی کے حادثوں کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اور بالآخر ایک طاقتور دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

سوم:۔ یورپی تہذیب کی تیسری خرابی ''حیوانیت'' ہے۔ حیوانیت سے مراد روحانی تقاضوں سے غافل ہو کر جسمانی لذتوں کے پیچھے بھاگنا ہے۔ انسان جسم و روح ہر دو کا مجموعہ ہے۔ جسم فانی ہے۔ اور روح ازلی و سرمدی، ہر جسمانی لذت کے ساتھ ایک دکھ وابستہ ہے، لیکن روح کی لذتیں الم سے ناآشنا ہوتی ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک پادری شام تک دس آدمیوں سے سگریٹ اور شراب چھڑا کر گھر آتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک نوجوان شراب کے دس گلاس پی کر بکواس کرتا پھرتا ہے۔ فرمایئے کس کی لذت عمیق و پائیدار ہے؟ ایک شخص دو روپے کما کر ایک روپیہ کسی اپاہج یا

☆ لاثواب الا بالنية ☆ (فقہی ضابطہ)

اندھے کو دے آتا ہے۔ اور دوسرا کسی راہ رو سے دس روپے چھین لاتا ہے۔ کہیئے ان میں سے خوش کون ہے؟ روح کو عمدہ موسیقی، خوبصورت نظاروں، بہاروں اور ادب پاروں سے بھی لذت ملتی ہے۔ لیکن یہ لذت پائیدار نہیں عمیق اور مستقل لذت عبادت میں ہے، عبادت روح کو خدائے کائنات سے ہم کلام اور نوریانِ عرش کا ہم عناں بنا دیتی ہے۔ یہ روح کی قوت، زینت، عظمت اور زندگی ہے۔ یورپ اس لحاظ سے بدنصیب ہے۔ کہ وہ قوت کے اس عظیم سرمائے سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جس جسمانی قوت کے ساتھ روحانی طاقت شامل نہ ہو، وہ ناکارہ ہو جاتی ہے۔

چہارم:۔ یورپ کی چوتھی خرابی استعمار یعنی ایشیا کے ممالک میں لوٹ مار کرنا اور انہیں کمزور رکھنا ہے۔ یورپ نے دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

اول ایشیا و افریقہ۔ ان کا فرض اہل یورپ کے لئے غلہ پیدا کرنا اور ان کی مشینوں کے لئے خام مال مثلاً کپاس، چمڑا، پٹ سن، ربڑ وغیرہ بہم پہنچانا ہے۔

دوم یورپ و امریکہ، جن کا کام موٹریں اور فولادی مصنوعات ایشیا و افریقہ میں فروخت کرنا ہے۔ ایشیائی و افریقی اپنی پیداوار میں جتنا اضافہ کرتے ہیں۔ اہل یورپ موٹر یا ٹریکٹر کی قیمت اتنی ہی بڑھا دیتے ہیں۔ اگر ۱۹۳۴ء میں ایک زمین دار ہزار من گندم دے کر ایک موٹر خرید سکتا تھا۔ تو آج اسے ایک موٹر کے لئے پانچ ہزار من غلہ دینا پڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ زرعی اقوام اپنی پیداوار میں کتنا ہی اضافہ کریں۔ وہ غریب تر ہوتی جائیں گی اور یورپ زیادہ امیر بنتا جائے گا۔ اس لوٹ کھسوٹ کا انسداد ایک ہی طریقے سے ہوسکتا ہے۔ کہ ایشیا و افریقہ کے تمام ممالک اپنے ہاں بھاری صنعتیں لگا کر اپنے خام مال کو گھر ہی میں استعمال کریں، لیکن اس میں یورپ کی موت ہے۔ اس لیے یورپ ایشیا میں بھاری صنعت کو روکنے کے لئے ہر قدم اٹھائے گا۔ خواہ وہ جنگ ہی کیوں نہ ہو۔ آج ایشیا کی اقوام جاگ اٹھی ہیں اور اپنے ہاں بھاری صنعتیں لگانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہوگئیں۔ تو یورپ میں غذا و مال خام کی قلت ہو جائے گی۔ اس کی صنعتوں کو نقصان پہنچے گا۔ آسودہ حالی رخصت ہو جائے گی۔ اس کے اوقات فرصت کم ہو جائیں گے۔ اسے علمی و ادبی تخلیقات کے لیے وقت نہیں ملے گا۔ اور یہ ہوگی یورپ کی رجعت قہقہری۔ یعنی دور جہالت کی طرف واپسی۔ (جو کہ اللہ کے فضل سے اب ہو چکی ہے)

☆ الاصل برآۃ الذمہ ☆ بنیادی طور پر ذمہ سے بری ہونا مقصود ہے ☆

پنجم: وطنیت۔ اللہ نے انسان کو ایک باپ کی پشت سے پیدا کیا تھا۔ ہمارا فرض تھا۔ کہ ہم اس اخوت کو قائم رکھتے۔ لیکن جونہی انسانی قیادت یورپ کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے انسان کو برطانیہ، فرانس، جرمنی، ایران اور افغانستان میں بانٹ دیا۔ اور اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انسان انسان کا بیری بن گیا۔ انسانوں کو متحد رکھنے کے لئے مذہب محکم ترین رشتہ تھا جسے یورپ نے ترک کر دیا۔ جغرافیائی اور لسانی بنیادوں پہ قومیت کی تعمیریں اٹھالیں۔ اور پھر ہر قوم دوسری کی تخریب وتباہی کے منصوبے سوچنے لگی۔ صرف بیس برس کی قلیل مدت میں دو تباہ کن جنگیں ہو چکی ہیں۔ پہلی جنگ (۱۹۱۴۔ ۱۹۱۸) میں چھ کروڑ انسان زخمی یا ہلاک ہوئے تھے اور دوسری (۱۹۳۹۔ ۱۹۴۵) میں بارہ کروڑ۔

وطنیت، انسان کو خودغرض، تنگ نظر اور متعصب بناتی اور انسانیت کے مقام بلند سے اٹھا کر فرقہ بندی کے جہنم میں پھینک دیتی ہے۔ (جبکہ وطنیت غیر نظریاتی ہو) یہ تصور کس قدر ہولناک ہے۔ کہ ایک برطانوی کسی جرمن، اطالوی یا فرانسیسی کا بھلا سوچ ہی نہیں سکتا۔ انسانیت کی یہ منزل بہیمیت وبربریت کے زیادہ قریب ہے۔ بیشک آج یورپ کے پاس علم کے لامحدود خزائن ہیں۔ لیکن اس کا علم تن پروری عیاشی اور دوسروں کی تباہی پہ صرف ہو رہا ہے۔ اس نے ابھی تک انسانیت کبری دنیائے دل، عشق، الوہیت، انسان کی آقائی وخدائی کے متعلق سوچا ہی نہیں۔ اس نے علم کو ارتقائے انسانیت کیلئے استعمال ہی نہیں کیا۔ اور اب ایک ایسی جنگ کی علامات نمودار ہو رہی ہیں۔ جو یورپ کی تہذیب کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اور ممکن ہے۔ کہ کرۂ زمین سے زندگی ہی کو ختم کر دے۔ یہ درست ہے۔ کہ اسلام بھی تقسیم انسانیت کا قائل ہے۔ لیکن وہ انسانیت کو صرف دو گروہوں میں بانٹتا ہے۔

اول: مومن۔ جو الہامی ہدایات پہ عامل ہوں۔

دوم: کافر جو خدا کے باغی اور اقدار سماویہ کے منکر ہوں، یہ کافر برائے نام مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ اسلام خدائی نظام کا نام ہے۔ اور اس کا طرز عمل بالکل واضح ہے۔ وہ ہر نیک انسان کو اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ خواہ وہ کالا ہو یا گورا ایرانی ہو یا تورانی، ہندی ہو یا چینی اور ہر بدکار کے خلاف لڑتا ہے۔ خواہ وہ اسلام کا نام لیوا ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے حضور ﷺ نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ مدینہ میں پڑھی تھی۔ اور شرقی رومہ کے شہنشاہ ہرقل کو لکھا تھا کہ: ”آؤ ہم اور تم ان احکام پہ مل کر عمل کریں۔ جو قرآن وتورات میں مشترک ہیں“۔ اسلام کا مقصد وحدت آدم تھا۔ اور یہ خط اس حقیقت پہ شاہد ہے۔

☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆

ششم: شراب حیاتِ مغرب کا جزو بن چکی ہے۔ اس کے مفاسد سے کون آگاہ نہیں۔ یہ صحت کو بگاڑتی، حیوانی جذبات کو ابھارتی، بدکاری کی ترغیب دیتی اور حلال وحرام کے تمام امتیازات کو ختم کردیتی ہے۔ ایک شرابی کی کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ تمام حرم گر جائیں۔ جن میں حسن مستور ہے۔ اور تمام معاشرہ اس قدر بے حیا اور بے غیرت بن جائے۔ کہ اس کا دست گستاخ ہر حسینہ کے دامن عصمت تک پہنچ سکے۔ مذہبی قیود ایک طرف، صرف سماجی نقطہ نگاہ سے دیکھئے۔ کہ کیا یہ صورت حال گوارا ہوسکتی ہے کہ:۔

۱۔ زید گھر میں آئے اور اس کی بیوی بکر کے ساتھ ہم بستر ہو۔

۲: یا اس کی بیٹی کو کوئی شرابی استعمال کر رہا ہو۔

۳: یا اس کی بہن کسی رہگذر سے آنکھیں لڑا رہی ہو۔

عورت کی عظمت عصمت، مستوری اور عفت میں ہے۔ وہ ان صفات سے محروم ہو جائے۔ تو قحبہ اور فاحشہ کہلاتی ہے۔ شرفا اس پہ تھوکتے اور لعنت بھیجتے ہیں۔ شرابی کی کوشش یہی ہوتی ہے۔ کہ مذہب و معاشرہ کی یہ تمام قیود ختم ہو جائیں۔ اور تمام مستورات قحبہ بن جائیں۔ تاکہ وہ ہر پھول کو توڑ سکے اور ہر گھاٹ سے پانی پی سکے۔ اس حقیقت پہ دنیائے انسانی کی طویل تاریخ شاہد ہے۔ کہ ہر قوم کا زوال اس کے شرابیوں، عیاشوں اور بدکاروں کی وجہ سے ہوا تھا۔ یہ عیاش لوگ، جفاکشی، استقلال، ثبات، صبر، ایثار، جانبازی، محنت اور سرفروشی جیسی صفات سے محروم ہو کر پلٹتے اور ساری قوم کا بیڑہ ڈبو دیتے ہیں۔

شراب تہذیب مغرب کا جزو اعظم ہے۔ یورپ اب تک اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے زندہ تھا۔ اب یہ خوبیاں کم ہو رہی ہیں۔ اگر یورپ نے سنبھالا نہ لیا۔ تو جلد یا بدیر اس کی شان وشوکت کا جنازہ نکل جائے گا۔

ہفتم: مذہب کیا ہے؟ یہ وہ راستہ ہے۔ جو انسان کے لئے خالق کائنات نے تجویز کیا ہے۔ اس راستے پہ چل کر انسان مندرجہ ذیل فوائد اٹھاتا ہے۔

۱: وہ اپنی زندگی کو خدا وخلق خدا کے لیے وقف کر دیتا ہے اور قدم بہ قدم انسانیت عظمیٰ کی منزل تک جا پہنچتا ہے۔

۲: وہ تمام اخلاقی و روحانی امراض مثلاً خودغرضی، حرص، حسد، رقابت جنسی آلودگی، بددیانتی۔

کذب وفریب وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۳: وہ عدل واحسان کو شعار زندگی بنالیتا ہے۔

۴: قوت کے مآخذ دو ہی تو ہیں۔ کائنات اور رب کائنات۔ وہ دونوں مآخذ سے قوت حاصل کرتا ہے۔ تسخیر کائنات کے لئے علم اور صید یزداں کے لیے عشق سے کام لیتا ہے۔ عشق یعنی عبادت انسانی شخصیت کے لئے سنگھار، نور، لوچ اور زندگی ہے اور اسی سے دلوں کو سکون وقرار ملتا ہے۔ یورپ نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جس سیاست میں مذہب نہ ہو وہ درندگی وراہزنی بن جاتی ہے۔ گزشتہ دو سو برس میں یورپ کی مختلف اقوام نے ایشیا وافریقہ میں حکومتیں قائم کیں۔ لیکن وہ کہیں بھی ایک سو برس سے زیادہ نہ ٹھہر سکیں، محکوم اقوام نے ان کی لوٹ مار، درندگی، بے حیائی، ناانصافی، کذب وفریب اور تشدد کے خلاف وہ طوفان اٹھایا۔ کہ یہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے اور اپنے گھروں میں جا دم لیا۔ آج برطانیہ، فرانس، اٹلی، بلجیم اور ہالینڈ اپنی تمام نو آبادیات سے نکل گئے ہیں۔ اور کروڑوں انسانوں نے چین کا سانس لیا ہے۔ کسی وقت اسلام نے بھی نو آبادیات قائم کی تھیں۔ ہم عرب سے نکل کر جنوب میں ملتان، شمال میں بحیرۂ اسود، مشرق میں چینی ترکستان اور مغرب میں مراکش اور سپین تک جا پہنچے تھے۔ ہم سپین میں آٹھ سو برس رہے۔ ہند پر ہزار سال حکومت کی۔ اور عراق، شام، فلسطین، ایشیائے خورد، ایران، افغانستان، مصر، لیبیا، تونس، الجیریا اور مراکش بدستور ہمارے قبضے میں ہیں۔ ان ممالک کے باشندوں نے ہماری حکومت کو، جس کی بنا عدل واحسان اور علم وعشق پہ رکھی گئی تھی۔ اور جس کا مقصد انسان کا رابطہ اللہ سے قائم کرنا تھا۔ اس قدر پسند کیا، کہ انہوں نے ہماری تہذیب و مذہب تک کو اپنا لیا اور اس طرح من وتو کا امتیاز مٹ گیا۔ انگریز اپنے تمام علوم وفنون اور ایجادات وصنائع کے باوجود ہندوستان میں ایک سو سال سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ اور دوسری طرف ہمارا پرچم ایشیا وافریقہ کے بڑے بڑے خطوں پر چودہ سو برس سے لہرا رہا ہے۔ یہ برکت ہے صرف مذہب کی۔ جس نے عدل واحسان، خدمت خلق، انکسار، قناعت، درویشی، علم نوازی اور تحقیق وتجسس کو ہماری زندگی کا جزو بنا دیا تھا۔ اور ہم دوسرے ممالک میں لوٹ کھسوٹ کے لئے نہیں، بلکہ صرف خدمت و راہنمائی کے لیے جاتے تھے۔ (غلام جیلانی برق)

☆ الضرورات تبیح المحظورات ☆ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں ☆